طلبۂ تخصص کے لیے چند کارآمد نکات وتجربات

مولانا محمد یاسر عبداللہ
استاذِ جامعہ

ڈاکٹر احمد معبد عبدالکریم حفظہ اللہ (ولادت: ۱۳؍نومبر ۱۹۳۹ء/ یکم شوال ۱۳۵۸ھ)، معاصر مصری عالم ومحقق اور علومِ حدیث کے شناور ہیں، علمی حلقوں میں ان کے ''تدريبُ الراوي للسُّيوطي'' اور ''فتحُ المغيث شرحُ ألفيةِ الحديث للسَّخاوي'' کے دروس کی دُھوم ہے۔ متعدد مفید کتابوں کے مؤلف اور کئی نسلوں کے استاذ ومربّی ہیں، عالمِ عربی کی متعدد جامعات میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے ہیں، آج بھی جامعہ ازہر میں ان کے ہفتہ واری درس میں اہلِ علم وطلبہ کرام کا ہجوم اُمڈ آتا ہے اور ازہر کے وسیع برآمدے بھی تنگ دامنی پر شکوہ کناں دکھائی دیتے ہیں۔ شیخ موصوف کی نمایاں کاوشوں میں علامہ ابن سید الناس یعمری رحمہ اللہ کی ''النفح الشذي شرح جامع الترمذي'' کی تحقیق (۳ جلدیں، دار العاصمۃ، ریاض، ومکتبۃ الامام البخاری، مصر)، ''الحافظ العراقِي وأثرهُ في السنّة'' (پانچ جلدیں، أضواء السلف، ریاض)، ''علل الحديث بين القواعد النظرية والتطبيق العملي''، باشتراک (مکتبۃ الایمان، قاہرہ)، ''السنة النبوية، شبهات وردود'' (مشیخۃ الازہر، قاہرہ) ودیگر تالیفات شامل ہیں۔ حال ہی میں شیخ کے ایک عزیز شاگرد ڈاکٹر صلاح الدین شامی حفظہ اللہ نے ان کی اسانیدِ حدیث کے متعلق ''ثَبَتْ'' مرتب کرکے شائع کیا ہے۔ ''فيضُ الكريم في ترجمة وأسانيد شيخ المحدّثين أحمد معبد عبد الكريم'' (المكتبة الخيرية، قاہرہ، مصر ۱۴۴۳ھ/ ۲۰۲۲ء) کے دل کش نام سے موسوم اس کتاب کی ابتدا میں لگ بھگ ایک سو سترہ صفحوں میں شیخ نے اپنے علمی سفر کی آپ بیتی قلم بند کی ہے، جس میں طفولت سے مشیخت تک کی علمی سرگزشت، اساتذہ ومشائخ کا عطر بیز تذکرہ، اُن کے چنیدہ افادات اور اپنے ذاتی تجربات زیبِ قرطاس کیے ہیں۔ ان صفحات کے مطالعہ کے دوران بہت سے قیمتی نکات اور تجربات نگاہ سے گزرے، اور اہلِ علم وطلبۂ علومِ حدیث کے لیے کارآمد محسوس ہوئے، پیشِ نگاہ تحریر میں اُنہیں افادۂ عام کے لیے ''ریختہ'' کے قالب میں ڈھال کر پیش

کیا جارہا ہے۔

قدماء اور معاصر علماء کی کتابوں میں موازنہ

ڈاکٹر محمد سعاد جلال (استاذِ فقہ واصولِ فقہ حنفی، کلیہ شریعہ، جامع ازہر) شیخ احمد کے ابتدائی اساتذہ میں سے ہیں، ایک بار انہوں نے درس گاہ میں انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''معاصرین کی بنسبت علماء وائمہ متقدمین کی کتابوں کا زیادہ مطالعہ کیا کرو۔'' (ص:۳۰)

شیخ احمد کے مطابق: اُنہیں محسوس ہوا کہ ہم طلبہ ان کی اس نصیحت سے حیرت زدہ ہیں تو مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر تم متقدمین کی کتابیں پڑھو گے تو وہ تمہیں علمی اعتبار سے معاصرین کے ہم پلہ کریں گی، اور ان سے مباحثہ کے لائق کردیں گی، اس کے برخلاف اگر صرف ہم عصر مؤلفین کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہو گے تو علمی اعتبار سے ان سے پیچھے ہی رہو گے۔'' پھر اپنی مثال پیش کرتے ہوئے کہنے لگے: ''مثلاً: اگر میں اصولِ فقہ، عقائد، یا تفسیرِ قرآن کریم کے کسی مسئلے کے متعلق (امام) فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی لکھی چند سطریں بھی پڑھوں گا تو زندگی بھر اُن سے فائدہ اٹھاتا رہوں گا، جب کہ اسی مسئلے کے متعلق کسی معاصر عالم کے قلم سے کئی صفحات بھی پڑھ ڈالوں تو متقدمین کے ذکر کردہ اصولوں میں کوئی قابلِ ذکر اضافہ نہیں مل پائے گا۔ (ص:۳۰)

اس زریں نصیحت کو سپردِ قلم کرنے کے بعد شیخ احمد معبد لکھتے ہیں:

''میں نے یہ نصیحت 'فقہِ حنفی کی اس کتاب کے حاشیہ پر لکھ لی تھی جسے ہم شیخ سے پڑھا کرتے تھے، ان کی یہ نصیحت مجھے ہمیشہ یاد رہی، اور اس وقت سے آج تک اپنے علمی سفر میں اسے تھامے ہوئے ہوں، اور میرے حصولِ علم کی بنیادوں میں اس کا گہرا کردار رہا ہے، اپنے طلبہ وطالبات کے سامنے یہ نصیحت بار بار دہراتا رہتا ہوں، اور بہت سے طلبہ کچھ مدت بعد مجھ سے رابطہ کرکے بتاتے رہتے ہیں کہ علمی طور پر اس نصیحت سے انہیں بہت فائدہ ہوا۔'' (ص:۳۱)

ایک منفرد طریقۂ تدریس

شیخ محمود حسن ربیع حفظہ اللہ، شیخ احمد معبد کے ابتدائی اساتذہ میں سے ہیں، علومِ حدیث سے متعلق کئی کتابوں کے محقق ہیں، جن میں حافظ زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی ''شرحُ الألفية'' اور انہی کی ''تقريبُ الأسانيد'' اور اس کی شرح ''طرحُ التثريب في شرح التقريب'' وغیرہ شامل ہیں۔

شیخ احمد معبد لکھتے ہیں:

''وہ ہمیں مطالعہ کا مضمون پڑھاتے تھے، جسے انہوں نے ایک عام تہذیبی موضوع میں تبدیل کر دیا تھا، ہم (ان کے) پیریڈ میں مطالعہ کی (نصابی) کتاب کا کوئی ایک موضوع پڑھتے، پھر وہ ہمیں اُس دور کے کسی تہذیبی مسئلے کے متعلق مفید گفتگو کی جانب متوجہ کر دیتے، مثلاً: اُس زمانہ میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین (مصر کے معروف متنازع ادیب) نے جاہلی ادب کے متعلق (مشہورِ زمانہ) بحث چھیڑ رکھی تھی، جو رائے عامہ، تعلیم یافتہ طبقوں اور علمائے ازہر کی توجہات کا مرکز بنی ہوئی تھی، شیخ ہمیں (اس حوالے سے) اخبارات و رسائل میں شائع شدہ مواد اور اس موضوع سے متعلق علمی مجلسوں کی گفتگو سناتے، جن میں وہ شرکت کرتے تھے، دلائل کی روشنی میں اپنا موقف واضح کرتے، اور ہمیں اُبھارتے کہ ہم خود کو چھوٹا جان کر اپنی وسعت کے مطابق ایسی بحثوں کا مقابلہ کرنے سے نہ گھبرائیں (بلکہ حسبِ استعداد اپنا حصہ ڈالیں)، خواہ رسائل و جرائد کے کسی دفتر میں جا کر ہو، یا اس قضیے کے خلاف کچھ جملے پیش کر کے ہی کیوں نہ ہو اور اُن صاحب (ڈاکٹر طٰہٰ حسین) کی باتوں میں جو (علمی) غلطیاں اور ادبِ عربی و اسلامی مآخذ کے متعلق طعن و تشنیع ہے، انہیں واضح کریں۔ وہ ہم سے مطالبہ کرتے کہ ہم مختصر مضامین تیار کر کے مطالعہ کے سبق میں بیان کریں۔ یوں مطالعہ کا یہ مضمون ہمارے لیے ایک دلچسپ فکری تحریک کی صورت اختیار کر گیا، اس پیریڈ میں ہمیں بے چینی سے شیخ محمود ربیع کی آمد کا انتظار رہتا۔ اسی دوران انہوں نے ہی پہلے پہل ماہانہ دیواری رسالے کا خیال پیش کیا، جسے ہم تیار کر کے معہد کے کسی ہال میں لٹکائیں، تاکہ ہر آنے جانے والا اس کا مطالعہ کر کے مستفید ہو۔'' (ص:۳۲)

علمِ منطق ہر ایک کے بس کا نہیں!

شیخ سید دَوَاخلی رحمۃ اللہ علیہ بھی شیخ احمد معبد کے اساتذہ میں سے ہیں، شیخ احمد ان کے طرزِ تدریس کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''انہوں نے ہمیں علمِ منطق کے موضوع پر ''شرحُ الخَبِيْصِي (التهذيب في شرح التهذيب للتفتازاني)'' مکمل پڑھائی تھی، ان کی تشریح کی روشنی میں ہم نے منطق کے مباحث کامل طور پر حاصل کیے، حتیٰ کہ ''كتابُ الخَبِيْصِي'' کے مندرجات میں سے ہر مسئلے کا جواب ہمارے لیے آسان ہو گیا، کتاب کے مسائل کی بکثرت وضاحت کی وجہ سے اگر کسی مسئلے کی کافی تشریح کے بعد کوئی (غافل) طالبِ علم اُس مسئلے کے بارے میں سوال کرتا تو وہ ناراض ہو کر کہا کرتے تھے: ''كيف يطلب منّي "تَمْكَرِي" أن أُعَلِّمه المنطق؟!''

(ویلڈنگ کرنے والا مجھ سے یہ مطالبہ کرتا ہی کیوں ہے کہ میں اُسے علمِ منطق سکھاؤں؟!)۔ اشارہ اس طرف ہوتا تھا کہ علمِ منطق دقیق عقلی علم ہے، اُس کی تشریح کے دوران بیدار مغزی کی ضرورت ہے، ورنہ منطقی مباحث اور ان کی مثالوں کو سمجھنا دشوار ہے۔'' (ص:۳۳)

تفسیرِ قرآن کا اسلوبِ تدریس

ڈاکٹر فتحی عبدالمنعم رحمہ اللہ، شیخ احمد کو ''تفسیرِ نسفی'' (مدارکُ التنزیل وحقائقُ التأویل) پڑھاتے تھے، اُن کے طرزِ تدریس کے تعلق سے شیخ لکھتے ہیں:

''ان کی تدریس کا اہم فائدہ یہ تھا کہ وہ قرآنِ کریم کی آیات کو معاصر مسائل کے ساتھ مربوط کرتے اور اُن مسائل کے متعلق قرآنِ کریم کی رہبری فراہم کرتے تھے۔ بعض آیات کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: ''هٰذه هي الدبلوماسية التي يتميّز بها عن الدبلوماسيات المعاصرة.'' (یہ قرآنی ڈپلومیسی (حکمتِ عملی، پالیسی) ہے، جو دورِ حاضر کی ڈپلومیسیوں سے جُدا ہے)۔'' (ص:۳۴)

ذہین طلبہ، کامیاب اُستاذ کا راز

شیخ حمزہ بن ابراہیم جبالی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ احمد کو علمِ نحو کی معروف کتاب ''شرحُ ابنِ عقيل على ألفية ابن مالك'' پڑھائی تھی، اُن کے علم وفضل اور جذبۂ خیرخواہی کی بنا پر طلبہ کو شیخ سے بہت محبت تھی، اتفاق سے ان کا کسی اور شہر کے ادارے میں تبادلہ ہوگیا، تو بعض طلبہ نے اُنہیں نئے عہدے کی مبارک باد پر مشتمل خطوط تحریر کیے، شیخ احمد معبد نے بھی انہیں خط لکھا، جس کے جواب میں انہوں نے طویل خط ارسال کیا، شیخ لکھتے ہیں:

''میری یادداشت کے مطابق اس جواب کے مضمون میں انہوں نے یہ نکتہ بھی لکھا تھا: ''مجھ سے آپ لوگوں کو اگر علمی فائدہ پہنچا ہے تو اس میں حصولِ علم وفہم کے تئیں آپ لوگوں کی حد درجہ طلب کا دخل ہے؛ کیوں کہ کوئی کسان خواہ کاشت کاری میں کتنا ہی ماہر ہو، سازگار زمین سے ہی اسے اچھی پیداوار حاصل ہوسکتی ہے، آپ لوگ سازگار زمین تھے، جس کی بدولت میری کاشت کاری کی عمدہ پیداوار برآمد ہوئی۔'' (ص:۳۷،۳۸)

یادش بخیر! امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے استاذ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر اُن سے کہا تھا: ''ما انتفعتُ بك أكثرُ مما انتفعتَ بي'' (تم نے مجھ سے اِتنا استفادہ نہیں کیا، جتنا میں نے تم سے فائدہ اٹھایا)۔ سطحی ذہن اس نوعیت کے جملوں سے اُلجھ جاتا ہے، آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے نادرِ روزگار اُستاذ اپنے شاگرد سے اس قدر استفادہ کریں کہ خود شاگرد کا استفادہ اُس سے کم رہ جائے؟! حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت دقت رسی سے اس گراں قدر جملے کی کیا خوب عقدہ کشائی فرمائی ہے، پڑھیے اور عَش عَش کر اُٹھیے! حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

''قال شیخنا: وظاهرهٗ مشكلٌ؛ لأنّ أبا عيسى الترمذي وإنْ كان إماماً حافظاً مُتقِناً يُضرب به المثلُ، لكنَّ الإمام البُخاري إمامُ هٰذا الفن لا يُجارى. قال: فلعلّ الغرض منه أنّ الحافظ الترمذي أخذ منه حظاً وافراً من العلم مالم يأخذ منه غيرُه، فكما أنّ التلميذ يحتاجُ إلى شيخٍ محققٍ، كذٰلك يحتاجُ الشيخ إلى صاحبٍ ذكيٍّ بارعٍ، يتلقّى علمَه و ينشرُه في العالم.''

(معارف السنن: ۱/ ۱۵، ط: مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی، بنوری ٹاؤن، کراچی)

''ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: اس جملہ کا ظاہری مفہوم مراد لینا دشوار ہے، اس لیے کہ ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ امام، حافظِ (حدیث) اور ماہرِ فن ہیں، (محدثین کے ہاں فنی نقطۂ نظر سے) ان کی مثالیں دی جاتی ہیں، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس فن کے (بلند پایہ) امام ہیں، ان کے ہم پلہ بھی کوئی نہیں۔ شیخ کا کہنا ہے: شاید اس جملہ کا مقصود یہ ہے کہ حافظ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے امام موصوف سے ان کے علم کا حظِ وافر پایا ہے، کسی اور نے ان سے اس قدر استفادہ نہیں کیا، جیسے شاگرد ایک محقق استاذ کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح استاذ کو بھی کوئی ذہین و باکمال شاگرد درکار ہوتا ہے، جو اس سے علم حاصل کر کے اطرافِ عالم میں اس کی نشر و اشاعت کرے۔''

مطالعہ میں توسُّع ناگزیر ہے

ڈاکٹر محمد ابوشہبہ (رحمہ اللہ) اگرچہ سیرتِ نبویہ اور مناہجِ محدثین کے مضامین میں شیخ احمد کے اُستاذ رہے ہیں، لیکن اپنے محاضرات کے دوران کسی مناسبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیگر موضوعات پر بھی رہبری فرماتے تھے، ایک محاضرے کے آخر میں کہنے لگے:

''ایک اِنتہائی اہم بات کی جانب متوجہ کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ کلیہ (کالج) کی یہ تعلیم آپ کے مطلوبہ کسی بھی موضوع کے مکمل یا اکثر معلومات کا اس درجہ احاطہ نہیں کر پاتی کہ آپ اس موضوع کے ماہر عالم قرار پائیں، بلکہ اِس مرحلہ میں کسی موضوع کی محض بنیادی رہنمائی حاصل ہوتی ہے، اور آپ کے سامنے نمونے کے طور پر بعض بنیادی مباحث تفصیل سے ذکر

کیے جاتے ہیں؛ تاکہ آپ کے لیے حصولِ علم اور بحث وتحقیق کی راہیں ہموار ہوں اور اس موضوع کے عمومی وخصوصی مراجع اور قدیم ومعاصر مآخذ سے شناسائی ہو، لہٰذا کلیہ میں متعین نصابی کتب کے ساتھ ساتھ اپنی وسعت کے مطابق مزید آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کیجیے؛ تاکہ اُس کی مدد سے تحریری سوالات (کے جوابات حاصل) ہوں۔'' (ص:۴۹، ۵۰)

شیخ کے بقول:

''طالبِ علمی کے ابتدائی زمانہ میں اُن کی یہ بات ہمارے لیے باعثِ حیرت تھی؛ کیونکہ ہمارا خیال تھا کہ نصابی کتب کے علاوہ ہمیں مزید مطالعہ کی ضرورت نہیں۔'' (ص:۵۰)

ہمارے ہاں بھی درسِ نظامی، بلکہ تخصص کے طلبۂ علم بھی اس غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں اور بزعمِ خود ان نصابی کتابوں کو ہی حرفِ آخر سمجھنے لگتے ہیں، جب کہ ہمارے اکابر ومشائخ اس نصاب کو صحیح معنوں میں حصولِ علم کی استعداد پیدا کرنے کا ایک ذریعہ قرار دیتے ہیں، اور رسمی طالبِ علمی کے بعد کے مرحلے کو علمی ارتقا کا زمانہ ٹھہراتے ہیں، بلاشبہ شیخ موصوف کی یہ نصیحت ہر طالبِ علم کے لیے اہم ہے۔

معروف عرب ادیب استاذ عباس محمود عقّاد کی کتاب ''اللهُ جلَّ جلالُه'' شائع ہوئی تو ڈاکٹر محمد ابوشہبہ رحمہ اللہ کے ایک محاضرے کے دوران طلبہ نے ان سے دریافت کیا کہ عقّاد صاحب نے عقیدے کے موضوع پر کتاب کیوں تالیف کی، جبکہ اُنہوں نے قدیم زمانے سے اس موضوع پر اختصاصی مقام کے حامل ادارے ''جامعہ ازہر'' میں تعلیم حاصل نہیں کی؟!

اِس سوال پر ڈاکٹر صاحب موصوف کے جواب کا حاصل یہ تھا: ''عقیدہ کی جو بنیادی کتب، ازہری طلبہ پڑھتے ہیں، وہی دیگر طلبہ بھی پڑھتے ہیں، کوئی طالبِ علم' ازہری نہ بھی ہو تو اُن کتابوں کے احاطے سے اُس کا فہم وسیع ہوجاتا ہے۔'' مزید براں فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ استاذ عقاد نے اس کتاب کے لکھنے سے قبل جامعہ ازہر (میں شعبہ کلامیات) کے بنیادی مراجع (مثلاً: ''العقائدُ النسفيّة''، ''المواقف'' اور ''المقاصد'' وغیرہ) میں سے کسی ایک یا زائد کتابوں کا مطالعہ اور ان سے استفادہ ضرور کیا ہوگا، اگرچہ انہوں نے (اپنی کتاب میں) صراحتًا ان کتب سے نقل نہ کیا ہو، نیز عربی واسلامی ذخیرہ پر اُن کی وسیع نگاہ کا شُہرہ ہے، مزید براں اخباروں اور رسائل میں گوناگوں موضوعات پر لکھنے اور تالیفی مشغلہ کی وجہ سے حسبِ ضرورت مغربی لٹریچر پر بھی اُن کی نظر ہے، وہ ''الأهرام'' (مصر کا مشہورِ زمانہ عربی رسالہ) میں ''ما يُقالُ عن الإسلام'' کے عنوان سے کالم لکھا کرتے تھے، اُن کے ذریعے اسلام مخالف نظریات اور اشکالات کے تار وپود بکھیرتے اور منصفانہ علمی جوابات تحریر کیا کرتے تھے۔'' ان کی وفات کے بعد سے آج ۲۰۲۲ء تک حد درجہ ضرورت کے باوجود یہ عنوان موقوف ہے۔

بعد ازاں شیخ محمد ابوشہبہ نے فرمایا:

''متنوع مطالعے اور گہری تحقیق کے تعلق سے تم طلبہ کو استاذ عقّاد اور اُن جیسے معاصر مفکرین کی پیروی کرنی چاہیے۔'' (ص:۵۰،۵۱)

شیخ احمد کے مطابق:

''ڈاکٹر صاحب نے اِس موقع پر سیرتِ نبویہ کے موضوع کے تعلق سے عبقری شخصیات کے بارے میں استاذ عقّاد کی کتابوں سے ہماری رہبری فرمائی، مثلاً: عبقریّاتُ الخلفاءِ الأربعةؓ، چاروں خلفاءؓ میں سے ہر ایک شخصیت پر موصوف کی مستقل کتابیں ہیں۔'' (ص:۵۱)

نصابی وخارجی مطالعہ میں توازن کیونکر ہو؟

شیخ احمد کا کہنا ہے: ''شیخ موصوف کی رہنمائی کی بدولت ہم طلبہ میں ابتدا سے ہی متنوع مطالعہ کا ولولہ پیدا ہوگیا، لیکن ہم میں سے بعض طلبہ کو اس حوالے سے مزید رہبری کی ضرورت محسوس ہوئی کہ متنوع موضوعات پر وسعتِ مطالعہ کے ساتھ ساتھ امتیازی نمبرات میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے نصابی کتب وموضوعات میں مہارت بھی ضروری ہے، ان دونوں پہلوؤں کو یکجا کرنے کی کیا تدبیر ہوسکتی ہے؟ جب طلبہ نے سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے یہ عُقدہ ڈاکٹر محمد ابوشہبہ کی خدمت میں پیش کیا تو ان کا جواب کچھ یوں تھا:

''اضافی مطالعہ کو نصابی امور پر ترجیح نہیں دی جاسکتی، لیکن اِضافی مطالعہ، نصابی موضوعات میں فوقیت کے لیے مدد دے سکتا ہے، اگر وقت کی تنگی کی بنا پر تفصیلی مطالعہ نہ ہو سکے تو (خارجی) موضوع اور اُس کے منہج سے آگاہی کی غرض سے یہ ممکن ہے کہ طالبِ علم (خارجِ نصاب) کتاب کے مقدمہ کا مطالعہ کرلے، پھر کتاب کے اخیر میں فہرستِ مضامین (جو اکثر چند صفحوں پر مشتمل ہوتی ہے) کو پڑھ لے، جن عنوانات کے مطالعہ کی ضرورت محسوس ہو ان کی نشان دہی کرلے، تاکہ بوقتِ ضرورت ان مقامات تک رسائی ہوسکے، یوں قاری بہت تھوڑے وقت میں کافی کچھ حاصل کرلے گا، اور حسبِ ضرورت اس کتاب میں نظر سے گزرے موضوعات کی مراجعت بھی ممکن ہوگی۔'' (ص:۵۱)

بنیادی مآخذ کی اہمیت

ہمارے بعض اساتذہ کہا کرتے تھے:

''جو طالبِ علم، مراجعِ اصلیہ (کسی علم وفن کے بنیادی مآخذ) کا توسع کے ساتھ مطالعہ کرے گا

اور ان کے دقائق کا فہم حاصل کرلے گا تو وہ امتحان میں آمدہ تحریری سوالات کو حل کر سکے گا، کیوں کہ ان وسیع مآخذ سے ان سوالات (کے جوابات) کا خارج ہونا ناممکن ہے۔'' (ص:۴۹)

شیخ محمد علی اَحْمَدَ یَنْ رحمۃ اللہ علیہ، شیخ احمد معبد حفظہ اللہ کے کالج کے استاذ تھے، وہ قدیم اساتذہ میں شمار ہوتے تھے اور علمی گہرائی اور طلبہ کو تعلیمی قواعد وضوابط کی پابندی کرانے کے حوالے سے معروف تھے۔ موصوف اکثر اپنے محاضرات میں کہا کرتے تھے:

''تم لوگ صرف ظاہری اموراور کالج میں حاضری کا اہتمام کرتے ہو، جب کہ ہماری نسل کے طلبہ زیادہ تر وقت نصابی کتب کے علاوہ مصادرِ اصلیہ (بنیادی فنی مآخذ) سے آگاہی اور اُن سے استفادہ میں صرف کرتے تھے۔'' (ص:۵۸)

شیخ احمد معبد کے ایک اور استاذ شیخ عبدالوہاب غُزلان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا:

''جو طالبِ علم، علمی شخصیت کی تعمیر چاہتا ہو تو پہلے مرحلے میں اپنے اختیار کردہ اختصاصی موضوع کا مطالعہ کرے، بعد ازاں اُن دیگر موضوعات کا مطالعہ کرے جو اُس کے سامنے آگاہی کے نئے دَر کھولیں، جن سے علومِ اسلامیہ کے مختلف پہلوؤں کے احاطہ میں مدد ملے۔'' (ص:۶۲، ۶۳)

مزید فرمایا:

''میں جن دنوں تفسیر وعلومِ قرآن میں ''اُستاذ'' کا درجہ حاصل کرنے کے لیے تحقیقی مطالعہ تیار کررہا تھا تو ایسی کتب کا مطالعہ کرتا تھا جن میں مطلوبہ موضوع سے متعلق معلومات ملنے کا خیال ہوتا تھا، اور ایسی کتاب کو اول تا آخر پڑھ ڈالتا تھا، اگر اپنے موضوع سے متعلق کچھ مواد نہ ملتا تب بھی دیگر معلومات کے استفادہ پر مجھے خوشی ہوتی تھی۔'' (ص:۶۳)

ڈاکٹر طٰہٰ دُسوقی رحمۃ اللہ علیہ اصولِ فقہ میں شیخ احمد کے استاذ رہے ہیں، شیخ احمد کا کہنا ہے:

''اُنہوں نے بارہا ہمیں خیرخواہانہ تاکید فرمائی کہ جو طالب علم بھی علومِ کتاب وسنت میں سے کسی میں تخصص چاہتا ہو تو اسے اپنے تخصص سے متعلق ہر قدیم ماخذ اور معاصر تالیف سے اجمالی یا تفصیلی طور پر آگاہ ہونا چاہیے۔'' (ص:۶۴)

متقدم ومتاخر محدّثین کے مابین منہجی تفریق

متقدم ومتاخر علمائے محدثین کے درمیان منہج کے اعتبار سے فرق ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ کچھ عرصہ سے عرب علماء کی دو جماعتوں کے درمیان موضوعِ بحث بنا ہوا ہے اور اِس کے متعلق کافی کچھ لکھا جاچکا ہے،

''کویت'' میں اس موضوع پر ایک کانفرنس ہوئی، جس میں ڈاکٹر احمد معبد حفظہ اللہ بھی مدعو تھے، موصوف نے اس موقع پر حاضرین کے سامنے جو تحقیقی مقالہ پیش کیا، اُس کا حاصل انہی کی زبانی کچھ یوں ہے:

''بلاشبہ گردشِ روز وشب کی بنا پر ائمہ محدثین وعلمائے حدیث میں متقدمین اور متاخرین کے وجود کا انکار تو نہیں کیا جا سکتا، ہر جماعت کا اپنا مقام ہے اور ان کے علمی کارنامے بھی مخفی نہیں، نیز ہر ایک طبقے کے کاموں پر علمی تحفظات کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، اور کوئی متقدم یا متاخر (محدّث) ایسے تحفظات سے محفوظ نہیں، لیکن دونوں جماعتوں کے درمیان کوئی عمومی اور یقینی زمانی تحدید نہیں پائی جاتی، بلکہ ہر زمانہ (منہجی اعتبار سے) متقدمین ومتاخرین پر مشتمل ہے، لیکن اسے ''متقدمین اور متاخرین کے مابین منہجی تفریق'' کا عنوان نہیں دیا جا سکتا؛ اس لیے کہ لفظِ ''منہج'' کا عام مفہوم (یعنی کسی علم کے عمومی قواعد وضوابط) تو تمام محدثین کے نزدیک متفقہ ہیں، البتہ بعض تفصیلات میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس سے زیادہ اختلاف ان عام قواعد وضوابط کی عملی تطبیق میں ہے، اور اس نوعیت کا اختلاف ہر متقدم ومتاخر زمانے اور نسل میں موجود ہے، عمومی طور پر قبولیت یا عدمِ قبولیت کے لیے ایسے مضبوط دلائل کا اعتبار ہوگا جو عام قواعد اور مصطلحات کے موافق ہوں۔''

شیخ احمد کے مطابق:

''بعد ازاں متقدمین ومتاخرین کے مابین منہجی تفریق کے قائلین میں سے منصف مزاج اہلِ علم نے میری اس رائے سے اتفاق کیا۔'' (ص:۱۲۱)

متقدمین اور متاخرین کے درمیان کے مناہج کے درمیان تفریق کے حوالے سے چھیڑی گئی معاصر بحث میں شیخ موصوف کی مذکورہ رائے متوازن ہے، یوں ہر دور کے اہلِ علم کے مرتبوں کا لحاظ رکھا جا سکے گا، اور ان کی علمی کاوشوں سے استفادہ کا سلسلہ بھی قائم رہے گا۔

شیخ احمد معبد عبد الکریم حفظہ اللہ کی خودنوشت میں سے مذکورہ چیدہ چیدہ نکات وتجربات سے اس نوعیت کی تحریروں کی اہمیت بھی اُجاگر ہوتی ہے، کسی علم وفن میں مہارت حاصل کرنے کے متمنی طالبِ علم کو اس فن کے متخصص علماء وماہرینِ فن کی سوانحات اور آپ بیتیوں کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے؟ اہلِ علم وفن کی سرگزشتوں میں ضمنی طور پر ایسے قیمتی افادات بکھرے ہوتے ہیں، جن سے بہت سے علمی عُقدے حل ہوتے اور اُلجھنیں سُلجھتی ہیں۔